



ملکیت کا انتقام

اردو
کے مایہ ناز
ادیب
اور
ممتاز ناقد
جناب
مجنوں
گورکھپوری
نے
یہ پراسرار
داستان
۳۰
شعبہ میں
لکھی تھی۔

مجنوں

گورکھپوری





میں گھر کا خوش حال چوکی انٹرنس تنک انگریزی
تعلیم پائی ہے۔ عربی اور فارسی میں بھی کچھ شہرہ ہے۔ بچپن
سے میری صحت خراب رہتی ہے۔ اس لئے سلسلہ تعلیم کو
آگے نہ بڑھا سکا۔ ماں باپ نے اسکول سے نام کٹوا کر گاؤں
میں بٹھا دیا۔ میں اپنی جائیداد کے انتظام میں لگ گیا۔ اور
اٹش میں شک نہیں کہ کھیت کھلیان کی آب و ہوا میرے لئے
بڑی حد تک صحت بخش ثابت ہوئی۔ دن بھر سردی کاموں
میں لگا رہتا اور رات میں قندہ کہانی سے جی بہلانے کے لئے
پڑھا کرتا تھا۔ کبھی شعر کہتا تھا۔ شعر کیا کہتا تھا۔ دوسرے
موزوں کیا کرتا تھا۔ شاعری کا ذوق مجھے بچپن سے تھا۔ میرا
خیال ہے کہ اس کے لئے کسی علمی استعداد کی ضرورت نہیں
صرف ذوق کافی ہے۔

شام کو میں ریفر جنرل اور دریا کی میر کو جایا کرتا تھا۔
ایک دن شام کو گرمی کے زمانے میں تقریباً پانچ بجے میں
حسب معمول گھر سے نکلا اور دریا کی طرف پہلا جو میرے گاؤں
سے کوئی دو میل کے فاصلے پر ہے۔ میں اپنے نیچے راستے طے
کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ میں کسی خیال میں محو تھا شاید کوئی مشعر
موزوں کر رہا تھا۔ مجھے یہ بھی خبر نہ تھی کہ میں کہاں ہوں۔ دیا
کے کنارے پہنچ کر مجھے ہوش آیا اور میں نے دیکھا کہ سانے
دریا کے کنارے کنارے راہوں کا ایک گروہ چلا آرہا ہے۔
مجھے یاد پڑا کہ میٹے کا دن ہے۔ یہ میلا میہاں سے تین کوس
اتر پورب اس دریا کے کنارے ہر سال ہوا کرتا ہے اور وہ
دور سے دیہاتی اگر اس میں شریک ہوتے ہیں۔ راہیوں
کا یہ گروہ جب قریب آیا تو میری نگاہ ایک سولہ سترہ سالہ
لڑکی پر پڑی جو سب سے آگے آگے چلی آ رہی تھی میں اس
میں محو ہو گیا اور جب تک اس کو دیکھ سکا دیکھتا رہا اور
پھر دیر تک غلامیں اس طرف دیکھتا رہا جس طرف وہ گئی
سب رنگ ڈانچا

میں کوئی ادیب نہیں ہوں۔ نہ میری علمی استعداد بہت
زیادہ ہے۔ اور نہ میں کسی خاص طرز انشا کا مالک ہوں۔ یہ عمر میں
پہلی بار ہے کہ عوام کے سامنے اپنے حالات اور اپنی تحریر پیش کر
رہا ہوں۔ مجھے واقعات کو ترتیب واریان کرنا نہیں آتا اور پھر
ایسے واقعات جو خود میرے ذہن میں کسی خاص ترتیب کے
ساتھ موجود نہ ہوں مجھے جو کچھ یاد ہے وہ خواب کی طرح یاد ہے
لیکن ہے میرے پڑھنے والے ان ادراک میں کوئی دلچسپی کی
بات نہ پائیں۔ لیکن میں اپنے واقعات کو قلم بند کیے بغیر نہیں
رہ سکتا اس لئے کہ اگر میرے دکانے مجھے دیوانہ اور فائر عقل
ثابت کر کے مجھے رہائی نہ دلائی ہوتی تو آج انہی واقعات کی
بدولت عدم آباد کا راستہ لئے مجھے چھ سال ہوئے ہوتے
چھ سال تک میں بنارس کے پاگل خانے میں بند رہا اور مجھے
وہاں سے بچھوٹے ہوئے مشکل سے دو سال کا عرصہ گزرا ہے
ڈاکٹروں نے اگرچہ مجھے صحت و دماغ کی سند دے دی ہے۔
لیکن میرے جانے والوں کا خیال ہے کہ اب بھی مجھ میں جنون
کے کچھ اثرات باقی ہیں، کاش یہی ہوتا! لیکن یہ واقعہ ہے اور
سکین ترین واقعہ۔ میں اس کو یاد کرتا ہوں تو میرے کیچے میں
ہوکیں اٹھنے لگتی ہیں۔ میں نے اس سے پہلے پاگل خانے میں
بھی اپنی سرگزشت لکھ ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر چونکہ اب
تک واقعات کا صحیح علم مجھے نہ تھا۔ اس لئے نہ لکھ سکا۔ تقریباً
ایک ہفتہ ہوا وہ مجھے مسلسل معلوم ہوئے ہیں۔ اور میری
سرگزشت آپ کے سامنے ہے۔

مٹی، آپ اس سے میری از خود رنگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں
لجھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ میری ساری ہنسی کو سمیٹ کر
اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ اس نے بھی کئی بار مڑ مڑ کر دیکھا
تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری مہجوت لگا ہوں کی داد
دے رہی تھی، میں نے اس کے خیال کو دور کرنے کی بہت
کوشش کی لیکن جتنا ہی میں اس کو بھولنا چاہتا تھا اتنا ہی وہ ادھر
یاد آتی۔ اس کی یاد میرے لیے نام خدا ہو کر رہ گئی تھی۔ میں نے
اس کو بہت تلاش کیا مگر اس کا پتا نہ چلا۔ رفتہ رفتہ میری یہ حالت
ہو گئی کہ ہر وقت اچھٹے پیچھے ہوتے جاگتے وہی میری نظر
کے سامنے رہتی۔ میں دن دو پہر بیداری کی حالت میں اس
کے خواب دیکھنے لگا۔

اب میں شام کو روز دریا کی طرف جانے لگا۔ میرے
بٹے اب کہیں اوروں کی پسی نہ تھی۔ میں اسی جگہ جا کر گھنٹوں
اس کو یاد کیا کرتا جہاں میری آنکھیں اس سے دوچار ہوتی
تھیں میری نگاہوں میں اس جگہ کو ایک خاص محرمیت حاصل تھی

اس طرح کوئی پندرہ دن گزر گئے۔ میرے جنون
میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی۔ میں اس مقدس منزل میں
دیر تک سکوت کے عالم میں عشق کی نماز ادا کیا کرتا تھا۔
ایک روز میں حسب معمول اسی جگہ بیٹھا ہوا تھا سورج
ایک سرخ گولابن کر مغربی افق تک پہنچ گیا تھا۔ دریا کی
روانی میں سستی پیدا ہو چلی تھی۔ موجیں خشک گئی تھیں
لجھ پر ایک غنودگی کی کیفیت طاری تھی، یلایک میں نے دیکھا
کہ وہ پھر آ رہی ہے۔ اس دفعہ وہ تنہا تھی، اور اس طرف سے
ابھی تھی جدھر اس دن میں نے اس کو جاتے دیکھا تھا، جیرے
اندھ جذبات کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور میں بے ساختہ اس
کی طرف دوڑ پڑا اور پھر؟

جون مشہ

..... پھر کچھ نہ تھا۔ وہ وہاں نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ دریا کی بے شمار موجوں میں کہیں غائب ہو گئی ہے۔
میں یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا کہ یہ میرے حواس کا دھوکا
تھا، میں نے ادھر ادھر آنکھیں مچاڑ مچاڑ کر دیکھنا شروع
کیا۔ اتنے میں، میں نے دیکھا کہ مجھ سے چند قدم پر میرے
بائیں ہاتھ پر گیر والباس پہنے ہوئے ایک سادھو کھڑا ہے۔
میں سمجھ گیا وہی سادھو ہے جو یہاں سے چند بیگھوں کے
فاصلے پر ایک منہایت اونچے ٹیلے پر اپنی کٹی بنائے ہوئے
ہے۔ یہ ٹیلا اتنا بلند ہے کہ باڑھ کے زمانے میں بھی جب
کہ ہر طرف پانی ہی پانی ہو جاتا ہے اس کا آدھ سے زیادہ
حصہ سطح آب سے اوپر ہوتا ہے۔ سادھو دن رات اسی
کٹی میں رہتا تھا۔ اور کہیں آتا جاتا نہ تھا۔ وہ گرد و نواح
میں کافی شہرت رکھتا تھا۔ لوگ اس کو نقد اور غلہ لاکر دے
جاتے تھے اور شاید اسی پر اس کی گزراوقات تھی۔ میں
نے اس کا نام سنا تھا۔ میرے لیے اس میں کوئی خاص
قابل توجہ بات نہ تھی۔

میرا ہیجان کچھ ایسا بڑھا ہوا تھا کہ میں نے سادھو
کو دیکھتے ہی گستاخانہ لہجے میں پوچھا کیوں؟ وہ کہاں گئی؟
سادھو نے کہا: ”بچہ تم کس کو پوچھتے ہو؟ یہاں تو میرے
سوا دیر سے کوئی نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر وہ مسکراتا ہوا میری
طرف بڑھا۔ میں اپنے سوال کو شاید اور درشتی کے ساتھ
دوہراتا مگر اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب و غریب کیفیت
تھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ میری آنکھیں جھجک
گئیں۔ میں اپنے سر میں ایک غیر معمولی تکان محسوس کرنے
لگا اور اسی جگہ بیٹھ گیا۔ سادھو نے میرے پاس آکر پوچھا
”بچہ تم کو کیا ہوا ہے؟ میں روز تم کو یہاں بے خبری کے
عالم میں دیکھتا ہوں۔ آخر تمہیں کیوں اس جگہ سے انس

ہے؟ آج تم دوڑے ہوئے کہاں جا رہے تھے؟ اور یہ کس کے بارے میں پوچھ رہے تھے؟ میں اب اس سے انکسین ملا تا ہوا گھبراہٹ تھا۔ میں نے سر نیچے کئے ہوئے جواب دیا۔ مہاراج اپنا رستہ لو۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ ”ہو تو تم کو بہت کچھ ہے اور مجھے خوب معلوم ہے کہ کیا ہوا ہے۔ لیکن میں خود تمہاری زبان سے تمہارا حال سننا چاہتا ہوں۔ دیکھو مجھے اپنا دوست سمجھو۔ مجھ سے دل کی بات نہ چھپاؤ۔ میں تمہارے کام آسکتا ہوں“ سادھو نے کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیر لے لگا جس سے میرے دماغ میں سکون پیدا ہونے لگا۔ میں بات کی بات میں اس خواہش سے مغلوب ہو گیا کہ سادھو کو اپنے راز سے آگاہ کر دوں۔

میں نے اپنا حال مفصل بیان کر دیا اور میرے دل کا بار کچھ ہلکا ہوا۔ میں نے اس لڑکی کا حلیہ بیان کر دیا سادھو اپنی گھنٹی اور لمبی داڑھی اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ سوچنے لگا اور میں اس کی صورت غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی صورت سے ایک خاص جلال ٹپکتا تھا۔ یہی جلال تھا جس نے مجھے اس کے سامنے بے بس کر دیا تھا کہ میں اس کو اپنا راز بتانے پر مجبور ہو گیا۔ مختصری ویر بعد سادھو نے ایک گہری سانس لی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس ایک سانس میں نہ جانے کتنے راز پوشیدہ ہیں، میں اب اس سے ایک موافقت محسوس کر رہا تھا، میں سراپا گوش بن کر اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ آخر کار اس نے کہا، ”اگر میں یہ کہوں کہ اس کا دنیا میں کہیں وجود نہیں — اور وہ تہا“ خواب کی رہنے والی چار تم دراصل اس کو خواب ہی میں دیکھا کرتے ہو تو تم میری بات تسلیم نہیں کرو گے اور شاید مجھ سے چڑھ بھی جاؤ لیکن ادھر دیکھو تمہاری عمر زیادہ سے

زیادہ ہیں برس کی ہوگی۔ میں تم سے تیس سال بڑا ہوں۔ کم از کم اتنا تو مان ہی لو کہ زندگی اور زندگی کے واقعات کا تجربہ مجھ کو زیادہ ہے۔ میں جو کچھ جانتا ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں اس کے صحیح ہونے کا امکان، تم جو کچھ سمجھتے ہو یا کہتے ہو اس کے مقابلے میں قطعاً زیادہ ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ تمہارے خواب کی پڑی ہے اور تم اگر اس کو پا سکتے ہو تو خواب ہی کی دنیا میں۔ یہاں اس بات کو بھی مجھ لو کہ دو ہندوں کی طرح میں خواب کی اصلیت سے انکار نہیں کرتا، خواب بھی اس طرح کی ایک حقیقت ہے جس طرح ہمارے ہوش و حواس کی زندگی، لیکن دونوں حقیقتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس دنیا کی حقیقت خواب کی دنیا کے لئے ایک واہمہ ہے بالکل اسی طرح جس طرح خواب کی حقیقت اس دنیا کے لئے ایک دھوکا ہے۔ تم اگر چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، اگر تم اس دنیا سے قطع نظر کرنا گوارا کرو تو میں ہمیشہ کے لئے تم کو اس سے ملا دوں۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ میں چپ چاپ اس کا منہ تکتا رہا، اس نے پھر کہنا شروع کیا ”تم کو میری باتوں کا اعتبار نہیں آتا۔ اچھا کم از کم مجھ کو ایک ہفتے کا وقت دو۔ گھر والوں سے کچھ بہانہ کر کے چلے سے میری کٹی میں چلے آؤ اور ایک ہفتہ یہاں رہو۔ ایک ہفتے کے لئے وہ تمہارا ہوگی۔ اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے جو کہا وہ کہاں تک سچ ہے۔ پھر اگر تم کہو گے تو مدت العمر کے لئے میں اس کو تم سے ملا دوں گا۔ بولو منظور ہے؟“

میں نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا ”ہاں منظور ہے“ اس کے بعد سادھو مجھ کو لے کر اپنی کٹی میں گیا اور وہاں مختصری ویر تک مجھے ایسے ایسے کمالات دکھاتا رہا کہ میرے ہوش اڑ گئے۔ چونکہ ان کو میری داستان سے کوئی تعلق سب رنگ ٹانجھل

نہیں ہے۔ اس لئے ان کو بیان کرنا بے کار ہے۔ دنیا ان کو شعبہ بازی سمجھ گئی مگر میں ان کی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد سادھو نے مجھ کو رخصت کیا چلتے چلتے اس نے کہا ”لیکن قبل اس کے کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو میں تمکو دو باتیں بتا دینا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ تم کو اس تجربے کے لئے اپنے کو صدق دل اور عقیدت مندی کے ساتھ میرے حوالے کر دینا پڑے گا دوسرے یہ کہ ساتویں دن کے بعد جب تم بوش میں آؤ گے تو تمہاری زندگی خطرے میں ہوگی۔ اگر اس خطرے سے تم بچ کر نکل گئے تو آئندہ اس قابل ہو جاؤ گے کہ ساری عمر اس کے ساتھ رہو۔ کل ان سب باتوں پر اچھی طرح غور کر کے آنا۔

میں اب کیا سوچتا؟ میں تو بڑی طرح اس سادھو کے قبضے میں ہو گیا تھا۔ اور اس خواب کی پری سے ملنے کے لئے بے تاب تھا۔

دوسرے روز مجھے از سر نو ارادہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ سادھو کا خیال مجھ پر اس طرح مسلط رہا کہ صبح سے شام کرنا میرے لئے پہاڑ ہو گیا۔ خدا خدا کر کے شام ہو گئی اور میں ماں سے یہ کہہ کر کہ میں ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں اور ایک ہفتہ وہاں رہوں گا چل کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ سوا ایک دری اور چادر کے کچھ نہ تھا۔ میں نے اپنے کسی لازم کو ساتھ نہیں لیا اور اکیلا اسٹیشن کی طرف چلا جب کچھ دور نکل گیا اور یہ اطمینان کر لیا کہ کوئی دیکھنے والا نہیں ہے تو سادھو کی کٹی کے طرف ہڑپٹا۔

سادھو مجھے دیکھ کر اسی طرح مسکراتا ہوا اٹھا اور مجھے اپنی کٹی کے اندر لے گیا ہر چند کہ اس وقت ادھر سے

جون فستہ

کسی کے گزرنے کا اندیشہ نہ تھا پھر بھی سادھو نے کہا کہ ”بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ باہر نہ رہیں۔ تاکہ تمہیں کوئی یہاں دیکھ نہ سکے۔“

اس کے بعد وہ مختلف قسم کی باتیں کرتا رہا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ زندگی کی انتہائی حقیقتوں پر اس کو پورا عبور حاصل ہے۔ مجھے اس دودن کے اندر یقین ہو گیا کہ زندگی اور فطرت کے اسرار کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ وہ انسان کے اندر موجود ہیں انسان کا کام ان کو پالینا ہے۔

جب آٹھ بج گئے اور اندھیرا کافی ہو چلا تو سادھو نے ایک بار مجھ سے پوچھا یہ ہاں تو تم نے آگاہ کیا اچھی طرح سوچ لیا ہے؟

میں نے کہا ”مہاراج مجھے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں تم اپنا عمل شروع کرو۔ میں تیار ہوں۔“ سادھو نے میرے آگے کچھ پھل اور ایک پیالہ دودھ رکھ کر کہا ”اچھا اسے کھا لو یہ ساتوک کھانا ہے یہ انسان کو ہلکا اور لطیف بناتا ہے۔ آج اگر تم اس سے سبھی غذا کھاؤ تو تمہارے حق میں مفید نہ ثابت ہو۔“ مجھے دودھ سے نفرت تھی لیکن میں نے کھایا اور نہیں کہہ سکتا اس میں کتنی لذت ملی۔ اس کے بعد سادھو نے اپنا عمل شروع کیا۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اپنے ہاتھ کو میرے جسم سے کوئی ایک ہاتھ کے فاصلے پر رکھ کر میرے سر سے پاؤں کی طرف بے باتا تھا اور زیر لب کچھ کہتا بھی جاتا تھا مقوڑی دیر کے بعد میں ایسا محسوس کرنے لگا کہ میں ہوا میں تیر رہا ہوں۔

پریا اب میری تھی۔ میں نے اس کے لئے گھر تے دیا تھا۔ سارے کنبے سے منہ موڑ لیا تھا۔ اور خوش تھا۔ میں اپنی پچھلی زندگی کو بھول گیا تھا۔ پریشانے مجھے تندہ راست جو ان اور خوبصورت

بنادیا تھا۔ اس نے میرے لئے اپنی ذات پات اور اپنے دھرم کو چھوڑ دیا۔ محبت اب ہم دونوں کا دھرم تھا۔ ہم لوگ ایسی جگہ تھے جو اس جگہ سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ جہاں میں نے پہلی بار اس کو دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ اس دنیا کی سر زمین نہیں معلوم ہوتی تھی۔ جس میں اس سے پہلے رہتا تھا یہاں مذہب اور ملت کا جھگڑا تھا۔ زمین اور آسمان کی بلا میں اس جگہ نہ پہنچ سکتی تھیں ہم دو کے علاوہ تیسرے کا یہاں کوئی دخل نہ تھا۔ میں یہاں کا راجا تھا اور پریمیا میری رانی، میں اس زمین کو پریم نگر کہوں گا۔ پریم نگر ایک سدا بہار ملک تھا۔ یوں کہو کہ وہاں خزاں میں بھی ایک نشاط ایک سستی ایک طراوت تھی۔ پریم نگر میں جس طرف نظر اٹھتی تھی نت نئے پھول اور رنگ برنگ کے سرسبز و شاداب درخت اور پودے دکھائی دیتے تھے وہاں کے ندی نالوں کی موسیقی میں ایک فروسی کیفیت تھی۔ جس کو میں نے کبھی اس دنیا میں محسوس نہیں کیا۔ پریم نگر کی راتیں ڈراؤنی نہیں تھیں بلکہ ان میں بھی ایک دلکشانویہ تھی۔ وہاں محبت سے طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی تھی اور نہ کسی چیز سے جی اکتاتا۔ جیسا کہ اس دنیا کا قاعدہ ہے۔ اور میری پریمیا؟ پریمیا پہلے سے بھی زیادہ حسین تھی۔ اس میں ایک لاہوتی دلنوازی آگئی تھی۔ وہ اب ایک عورت نہ تھی بلکہ ایک دیوی تھی۔ شاعروں نے جتنے سراپا کھسے ہیں مصوروں نے جتنی تصویریں کھینچی ہیں، سنگتراشوں نے جتنے مجسمے بنائے ہیں۔ دنیا والوں نے جتنی دلفریب صورتیں دیکھی ہیں۔ ان میں سے حسین ترین خصوصیات کو الگ کر لو اور یہ سب کچھ ان سے بھی زیادہ میری پریمیا میں موجود تھیں۔ اس کی آنکھیں غیر فانی دفا و محبت سے معمور تھیں۔

وہ ہر وقت میری خدمت میں لگی رہتی تھی اور میں اس کی۔ ہم ہر احتیاج سے آزاد اور ہر فکر سے بے خبر ایک دوسرے کے لئے راحت و مسرت کے نئے نئے پہلو نکالا کرتے تھے۔

میں دن رات اس کو دیکھا کرتا تھا اور وہ مجھ کو۔ میری جان اس کی آنکھوں میں تھی اور اس کی جان میری آنکھوں میں۔ میں اس کے نام کی سانس لیتا تھا وہ میرے نام کی وہ اکثر کہا کرتی تھی۔ "دجانے کتنی عمریں میں یہاں تمہارے انتظار میں گزار چکی ہوں۔ میں تمہارے لئے بنائی گئی تھی مجھے یقین تھا کہ تم مجھ کو کبھی نہ کبھی ضرور ملو گے آخر کار میں تم کو پا گئی۔ اب تم میرے ہو اور میں تمہاری۔ اور یہ زمین، آسمان، چاند، سورج، دلا رات، جنگل، جھاڑی، ندی نالے غرضیکہ تمام چیزیں ہماری ہیں۔" اور میں جواب دیتا۔ "پریمیا! اب میں ہوں اور تم اور یہ کائنات نہ تم مجھ سے جدا ہوگی نہ میں تم سے اور نہ ہم اس دنیا کو چھوڑ کر کہیں جائیں گے۔"

پریمیا۔ جس وقت میرے جسم کو چھوتی یا مجھے چھوتی تو اس سے میرے اور دل کی رگوں میں ہیجان نہیں پیدا ہوتا تھا بلکہ میری روح کی ایک ایک تہہ میں ایک لطیف لہر دوڑ جاتی تھی اور میں اس میں ایک سکون و راحت کی کیفیت پاتا تھا۔

میں جس دنیا کو چھپے چھوڑ آیا تھا اس کی آلودگیوں اس کی تاریکیوں اور اس کی مصیبتوں کی ایک ہلکی سی یاد باقی تھی بعض اوقات بے اختیار جی چاہتا تھا کہ ایک بار میں پھر اسی دنیا میں پہنچ جاؤں اور دنیا والوں کو محبت اور شاعر کا پیغام سناؤں نہ دیکھئے انسانیت اس کو کہتے ہیں۔ زندگی ہے۔ تمہارے افکار و آلام تمہارے بے معنی جھگڑوں، بکیر طوں اور تمہاری گندگیوں کا نام زندگی نہیں ہے۔ جس کو تم انسانیت سمجھے ہوئے ہو جس کو تم زندگی کہتے ہو وہ ایک طرح کی بیماری ہے، ہاں وہ ایک روحانی کوڑھ ہے۔ کبھی۔ کبھی مجھ پر اس پیغمبری کا جنون اس طرح ہو جاتا تھا کہ میں اپنی موجودہ زندگی کی راحتوں کو چھوڑ دینے کے لئے بھی تیار ہو جاتا تھا۔ مجھے حسرت تھی کہ دنیا کو پریم نگر بنا دوں۔ پریم نگر میں اگر کبھی برس سب رنگ ڈانچل

اندر کوئی تنہا پیدا ہوئی تو یہ اور کبھی فکر محسوس ہوئی تو یہ لیکن میری حالت یہ بھی دیر پا نہیں ہوتی تھی۔ پر یہاں مجھے فکر مند دیکھ کر مجھے محبت میں مبتلا لیتی۔ وہ کہتی "میرے سر تاج پریم نگر جی کر دھانی کی جگہ نہیں ہے۔ بیکار فکر نہ کرو۔ تم دنیا کو جیسا بنانا چاہتے ہو وہ ہو کے رہے گی۔ یہ فتنے فساد۔ وہ رسمی جگڑے۔ یہ گندگیاں رہنے کی نہیں۔ لیکن ہر بات کے لئے ایک وقت ہوتا ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ دنیا اندھیرے کو چھوڑ کر اگلے کی طرف آئے۔"

اس کے بعد پر یہاں مجھے پریم نگر کی ہشمار رنگینیوں کی طرف متوجہ کر کے کہتی۔ "دیکھو چاند کی مدہم کرنیں کیا کہہ رہی ہیں۔ سنو یہ قریاں کیا کہتی جا رہی ہیں۔ ادھر دیکھو سنسن کا جوڑا بیٹھا ہوا ہے۔ دونوں آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں بسلنے دیکھو ہونہارے نے پھول کے کان میں کچھ کہا۔ ذرا اندی کے

گیت سنو۔ اور ان لہروں کو دیکھو کتا رہے کی طرف کیسا خوش خوش اور تیز آتی ہیں۔ اور کتا رہے سے مل کر کھو جاتی ہیں۔ اور پھر ذرا اس طرف نظر اٹھاؤ۔ زمین و آسمان گلے مل رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ میرے گلے میں بائیں ڈال دیتی اور مجھے بوسہ دے کر کہنے لگتی۔ "ہاں پیارے محبت ہر چیز کی اصلیت ہے۔ محبت قدرت کی روح ہے۔ محبت آدمیت کی جان ہے۔ محبت نہ ہو تو ہر چیز مایا ہے یا جیسا کہ تم کہتے ہو زندگی ایک قسم کا کوڑھ ہے۔ محبت کی فتح ضروری ہے۔ جس دنیا کے لئے تم ابھی اپنا دل دکھاتے رہے ہو۔ اس پر بھی وہ ایک نہ ایک دن ضرور فتح پائے گی اور دنیا بھی ایک دن پریم نگر ہو جائے گی۔"

اس طرح میرے خیال میں نہ جانے کتنی مدت گزر گئی۔ ہماری زندگی کی مسرتوں میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ ہم اسی

کالاکول ہیرٹانک

دماغی سکون کے لئے اکسیر

• سفید بالوں کو قدرتی حسین رنگ بخشتا ہے

• بالوں کو گرنے سے روکتا ہے



CRESCENT

UTS-5163

طرز چپکے رہے۔ لیکن ایک دن جب کہ ہم دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے موجوں سے کھیل رہے تھے پر یا ایک ایک سہم کہ مجھ سے لپٹ گئی۔ اور ایک طرف اشارہ کرنے لگی۔ میں نے دیکھا تو اس طرف ایک ہیبت ناک اندھیرا چھایا ہوا تھا جو تیزی کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آندھی آرہی ہے۔ پریم نگر کے لئے یہ ایک بالکل نئی بات تھی میں بھی گھبرا گیا۔ آندھی خاک اڑاتی ہوئی بہت قریب آگئی اور میں نے دیکھا کہ ایک ڈاکو تلوار سوتے ہوئے دوڑا چلا آرہا ہے۔ میں نے چاہا کہ پریم نگر کو الگ کر کے اس ڈاکو کو روکوں لیکن پریم نگر سے اور بھی لپٹ گئی۔ دیکھتے دیکھتے ڈاکو کی تلوار پریم نگر کے سینے میں تھی اور پریم نگر پر زخمی ہوئے تھے اپنی غضبناکی میں پریم نگر کا بھی خیال نہیں رہا۔ میں ڈاکو پر بھڑکا۔ لیکن ڈاکو مجھ سے زیادہ قوی تھا۔ اس نے میری گرفت سے نکل کر ایک دارمجر پر کیا اور میں

.....!

اب میرے سامنے کچھ نہ تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ سادھو بیٹھا میرے منہ پر نپکھا جھل رہا ہے۔ اس نے پھر اسی طرح سکرا کر کہا اٹھو تمہارے خواب کی میعاد پوری ہو گئی۔ کہو کیسی میری تھی؟ اب میں اچھی طرح اپنے ہوش میں تھا۔

میں نے کہا "مہاراج میں ہمیشہ اسی میر میں رہنا چاہتا ہوں۔"

سادھو نے جواب دیا "ابھی نہیں۔ ابھی — جس خطرے کا ذکر میں نے کیا تھا۔ اس سے تم محفوظ نہیں ہو۔ اس سے بچ لینا تو زیادہ ہو س کرنا" یہ کہہ کر وہ پھر سکرایا اور کہا۔ "اچھا اب اپنے گھر کا راستہ لو۔"

میں اسی خواب کی لذت میں محو چلا جا رہا تھا کہ میرے کانوں میں یہ آواز پڑی۔ نہ جانے بے چاری کو کس نے قتل کیا اور

کیوں؟ میں نے چونک کر دیکھا تو دورا ہی باتیں کرتے جا رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں تقریباً ڈھائی کوس کے بعد ایک گاؤں ہے۔ وہاں ایک نور جوان خوبصورت عورت رات قتل ہوئی ہے۔ اس کے شوہر نے قاتل کو پکڑ لیا تھا مگر وہ پھر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ شوہر قاتل کو پہچاننا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ پولیس تلاش کر رہی ہے۔ مگر قاتل کا ابھی تک پتا نہیں امید ہے کہ وہ جلد پکڑ لیا جائے گا اس لئے کہ اتنی دیر میں وہ کہیں دیر نہیں گیا ہوگا۔

نہ جانے کس جذبے سے مغلوب ہو کر میں نے اس گاؤں کا پتا پوچھا۔ راہبوں نے کہا "جدھر سے آپ آرہے ہیں ذرا بچھو دب کر سیدھے چلے جائیے۔ کوئی ڈھائی کوس کے بعد آپ کو وہ گاؤں خود مل جائے گا۔ اس لئے کہ سارے گاؤں میں ایک ہل چل مچی ہوئی ہے "میرے پاؤں ٹوڑا مس سمت اٹھ گئے۔"

اس گاؤں میں پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو گئی۔ ابھی سرد سے باہر ہی تھا کہ دو سپاہیوں نے مجھ کو غور سے دیکھا اور پھر مجھ کو حراست میں لے لیا۔ قاتل کا حلیہ مجھ سے ملتا تھا۔ میں کشاں کشاں بیچ گاؤں میں تھا نے دار کے سامنے لے آیا گیا۔ میں حیرت زدہ سب کا منہ تک رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص مجھ کو نانہ بھیر کر پھاڑتا ہوا میری طرف بڑھا اور کہنے لگا "ہاں یہی ہے" اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

تھانے دار نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا "تم نے اسے کیوں قتل کیا" اب میری نظر لاش پر پڑی اور میرے حواس بجا نہ رہے۔ یہ تو پریم نگر تھی۔ اس کی صورت اس وقت بالکل ویسی ہی تھی جیسی رات تک پریم نگر سب رنگ ڈھنگ



اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر اس کو مکاری خوب آتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس سادھو کو طلب کر لیا۔

سادھو سے لوگ اچھی طرح واقف تھے اور اس کو خدا رسیدہ سمجھتے تھے۔ اس کے اتے ہی سب اس کے قدم لینے لگے۔ تھانے دار بھی اس کو اپنی بغل میں ایک بونڈھے پر بٹھلایا۔ سادھو نے مجھے دیکھتے ہی کہا ”بچے میں کہتا تھا تمہارا دماغ خراب ہو رہا ہے میں تم سے روز کہتا تھا کہ اس جگہ آکر نہ بیٹھا کرو۔ تم نے نہیں سنا۔ آخر کار اپنے کو اس نوبت تک پہنچایا“ سامنے ایک ڈنڈا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا کر چاہا کہ سادھو کا سر پاش پاش کر دوں مگر سپاہیوں نے مجھ کو پکڑ لیا ”سادھو مسکرایا اور تھانیدار اور دوسروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”یہ میری کٹی کے

میں تھی اور اس کے سینے میں اسی جگہ زخم تھا جہاں رات اس ڈاکو نے تلوار مارنی تھی۔ میں بے اختیار لاش سے لپٹ گیا، اور رو کر کہنے لگا۔ ”یہ تو میری پریا ہے۔ اس کو تو رات اس ڈاکو نے مارا ہے“ پر یا کا شوہر یہ کہتا ہوا میری طرف پکا ”مرگوار اب آیا باتیں بنانے تاکہ لوگ تجھ کو بے گناہ سمجھیں۔“ اگر لوگ اس کو پکڑ نہ لیتے تو نہ جانے وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتا وہ مجھ پر بالکل اسی طرح جھپٹا تھا جس طرح میں ڈاکو پر۔

میرے حواس پھر درست ہو گئے اور اب میں نے کہا یہ سب اس بد معاش سادھو کا کیا ہوا ہے جو اس کٹی میں رہتا ہے۔ پر یا کا قاتل وہی ہے ”اس کے بعد میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ اس پر سب لوگ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ تھانے دار نے کہا یا تو قتل کے احساس نے

پاس روز دریا کے کنارے شام کو آکر پہروں دم بخود بیٹھ رہا کرتے تھے۔ مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ان کا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ میں نے ان کو آنے سے بار بار منع کیا۔ لیکن انہوں نے میرا کہنا نہیں مانا۔ ایک ہفتے سے یہ نظر نہیں آتے تھے آج ان کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ اس پر پریمیا کے شوہر نے اچھل کر کہا، بس بس ٹھیک ہے میں نے بھی اس کو پہلی دفعہ اسی دریا کے کنارے دیکھا تھا۔ جب کہ ہم لوگ میلے سے لوٹ رہے تھے۔ اب مجھ سے کچھ کہا نہیں جاتا تھا۔ سادھو کی احتیاط پر داری پر میں حیران رہ گیا۔ سادھو نے پھر کہا۔ میری کٹی سے قوتی دور پر ایک گاؤں ہے۔ وہیں کے زمیندار کے لڑکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر انہوں نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے تو ہوش و حواس کی حالت میں نہیں۔“

میں حوالات میں تھا اور میرے گھر رونائینا پڑا تھا۔ خواب کو حقیقت کی ضد بتایا جاتا ہے۔ میں غور کرتا تھا تو دونوں اضافی چیزیں معلوم ہوتی تھیں۔ مجھے سب کچھ خواب معلوم ہو رہا تھا۔ اور اس سات روز کا خواب ایک ناقابل افکار حقیقت — میرے گھر والے مقدمے میں روپیہ ٹھیکری کی طرح پھینک رہے تھے۔ دکلا داپنا سارا زور صرف کر رہے تھے۔ آخر کار بڑی مشکل سے مجھے پاگل ثابت کیا جا سکا میرے گواہوں میں سادھو بھی تھا۔ سادھو نے مجھے قاتل عقل ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا میرا جی چاہتا تھا کہ میں سادھو کو کچا چبا جاؤں۔

حوالات سے چھوٹا تو پاگل خانے میں پھینک دیا گیا۔ اور وہاں چھ سال رہا اس کی وجہ یہ ہے کہ

ایسے عجیب و غریب واقعات نے مجھے واقعی پاگل بنا دیا تھا۔ خدا خدا کر کے وہاں سے نجات ملی اور میں پاگل خانے سے نکل کر اپنے گھر آیا کاش میں سچ پرچ پاگل ہوتا۔ کون جانتا ہے کہ پاگلوں کا دماغ کتنا صحیح ہوتا ہے اور ان کی دنیا عقل والوں کے مقابلے میں حقیقت سے کس قدر زیادہ قریب ہوتی ہے!

مجھے گھر آئے ہوئے کوئی پندرہ دن ہوئے ہوں گے گھر والے اب تک خوشیاں منا رہے تھے۔ منتیں پوری کی جارہی تھیں۔ خیراتوں کا سلسلہ جاری تھا دور دور سے میرے چاہنے والے مجھے دیکھنے آ رہے تھے اور میں ایک مجرب روزگار بنا بیٹھا تھا ایک روز شام کے وقت میں نے دیکھا وہی سا جو اسی لباس میں اور اسی آن بان کے ساتھ چلا آ رہا ہے گزشتہ خوفناک واقعات۔ جن کو میں بھولنے کی کوشش کر رہا تھا ایک اک کر کے میرے سامنے ہو گئے اور میرے بدن میں شعلے بھڑکنے لگے سادھو کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ تھی میں نے ارادہ کر لیا کہ اب کی اس آدمی کو پولیس کی پوری خبر لوں گا۔ لیکن آپ سوچئے میں کیا اور میرا ارادہ کیا۔ سادھو قریب آیا تو اس کی مسکراہٹ اور نگاہوں نے پھر میرے اندر اک سکون کی کیفیت پیدا کر دی اور میرا غصہ خود بخود ٹھنڈا ہو گیا۔ میں نے اس کی طرف سے آنکھیں پھر لیں اس نے مجھ سے کہا میں اب تک اس لئے نہیں آیا کہ تم اچھی طرح آرام کر لو تب آؤں۔ میں تم کو دیکھنے اور ایک نہایت ضروری بات کہنے آیا ہوں۔“

میں نے بات کاٹ کر کہا جس خیریت اسی میں ہے کہ تم میرے سامنے سے فوراً چلے جاؤ۔ میں نے تمہاری ضرورت بات بہت سنی۔“

سادھو نے بے پرواہی کے ساتھ جواب دیا۔ پھر میری خیریت تو ہر حال میں ہے۔ میں تم کو وہ بات سنا کر جاؤں گا۔ تم نہ سنو گے تو دو دیوار کو سناؤں گا۔ یہ کچھ اس طرح سے کہا گیا تھا کہ میں پھر سے بے قابو ہو گیا۔ اور پتھر کی صورت کی طرح سادھو کی بات کا انتظار کرنے لگا سادھو نے مشکل سے اتنا کہا۔ پرہیا کا قاتل دراصل میں ہوں۔ میں پھر بیچ رہا تھا۔

میں نے کہا۔ بد معاش میں تو جانتا ہی تھا کہ تو ہی قاتل ہے خیر میں ابھی تجھ کو گرفتار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے پاہا کہ کسی کو آواز دوں۔ مگر سادھو نے یہ کہہ کر میری زبان بند کر دی۔ بیکار بے عقلی کی باتیں نہ کرو مجھے قاتل کوئی نہیں کہے گا اور تم کو لوگ پھر پاگل سمجھنے لگیں گے۔ اس کے بعد اس نے جو سرگزشت بیان کی وہ یہ ہے۔

میں قوم کا پتھری ہوں۔ میرا نام ہر نام سنگھ ہے۔ میں اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں جہاں پر دیار سستی تھی۔ پرہیا کی ماں میری بیوی تھی۔ میں شادی سے پہلے بھی اسی سے محبت کرتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اس سے بھی شادی کی۔ اس کے لئے گھر بار چھوڑا اپنے پرانے ہوئے پرہیا کے سوا میرا کوئی نہ تھا۔ پرہیا مجھے جی جان سے چاہتی تھی اب مجھے یہاں کوئی نہیں پہچانتا کوئی نہیں جانتا کہ میں وہی ہر نام سنگھ ہوں یا تو مجھے تک ہماری محبت دن دگنی اور رات بڑگنی ہوتی گئی۔ میں ساری دنیا کو پرہیا میں بھولا ہوا تھا لیکن آخر کار وہ دن بھی آگیا جب کہ میں نے محسوس کیا کہ پرہیا میری طرف سے بے نیاز ہوتی جا رہی ہے۔ یہ بے نیازی روز بروز بڑھتی گئی میں اپنے بیان کو طوالت نہ دوں گا مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ ہمارے گاؤں کے زمیندار ٹھاکر سنگھ کو پرہیا سے تعلق ہے پہلے تو میں نے اس کو

جون سنہ

غلط سمجھنا چاہا لیکن واقعہ واقعہ ہا میرا خون کھونٹنے لگا میں میں پرہیا کو مارنے کی فکر میں تھا پرہیا کو شبہ ہو گیا اس نے ٹھاکر سنگھ کو آگاہ کر دیا۔ ٹھاکر سنگھ نے اب اس کو کھلم کھلا اپنے مکان میں رکھ لیا میں نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے قانون سے مدد مانگی مگر عدالت اس کے لئے جس کو عدالت کی ضرورت نہیں قانون اس کی مدد کرتا ہے جو قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ ٹھاکر سنگھ اک بار سوخ زمیندار تھا اور بڑا روپے والا تھا اور میں ایک مفلس اور نادار کاشتکار۔ میری شنوائی نہیں ہوئی۔ پرہیا ٹھاکر سنگھ کے گھر رہی۔ میں صدے کی تاب نہ لاسکا اور منہ کالا کر کے پردیس نکل گیا۔ یہ صرف پچیس پچیس برس کا واقعہ ہے میں نے دنیا بچ دی اور سادھو کو سادھوؤں کے ساتھ رہنے لگا۔ انہیں سادھوؤں کے ساتھ میں ان کمالات کا ماہر ہوا جن کا مشاہدہ تصور ابہت تم کر چکے ہو۔ میں لوگوں کی دل کی باتیں جان سکتا ہوں۔ دوسروں کو ان کے ارادے سے باز رکھ سکتا ہوں اور سب سے بڑا کمال وہ ہے جس نے میری اس معاملے میں مدد کی یعنی میں دوسروں کے قالب میں داخل ہو سکتا ہوں بشرطیکہ کوئی مجھ پر پورا بھروسہ کر کے اپنے کو میرے سپرد کرے، اب میں نے قسم کھائی کہ میں پرہیا اور ٹھاکر سنگھ سے اپنا انتقام لوں گا۔ اور اس کے لئے اس درمیان میں جتنے کمالات حاصل کئے ہیں ان کو کام میں لاؤں گا۔ میں اس نیت سے پھر یہاں آیا مگر مجھے معلوم ہوا کہ ٹھاکر سنگھ اور پرہیا دونوں مر چکے ہیں۔ اور ٹھاکر سنگھ سے پرہیا کی ایک لڑکی ہے جس کو ٹھاکر سنگھ کے گھر والوں نے نکال باہر کیا ہے اور اس کی شادی ہو چکی ہے میں نے اس لڑکی کو دیکھا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ ماں کی طرح اسی میں بھی بے وفائی ہے میں نے قسم کھائی اپنا انتقام اسی لڑکی سے لوں گا۔ یہ تمہاری پرہیا جتنی سال بھر تک

مجھے کوئی ایسا ملا جس کو میں اپنا آکر بنانا آخر کار مجھے موزوں ترین شخص ملا۔ یعنی تم۔ میں نے اپنا قالب تم کو دے دیا اور تمہارا قالب خود لے کر اس کو قتل کر آیا اس کے شوہر نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ مگر میں بھاگ نکلا۔ میں نے سات دن بعد اس کو اس لئے قتل کیا کہ تم اس کے ساتھ اتنے دن تک بطف اندوز ہو لو۔ قتل کے ساتھ تمہارا جوش میں آجانا یقینی تھا مجھے بیچ میں نہ ٹوکر۔ میں خود تمہارے ہر سوال کا جواب دے دوں گا۔ یہ دنیا ہی جھوٹے سے آباد ہے۔ یہ کچھ تمہارا پریم نگر تو ہے نہیں پھر اگر میں نے جھوٹ سے ایک فساد برپا کیا تو کیا؟ مجھے معلوم ہے کہ تم پر یا کو چاہتے ہو مگر پھر اس سے دنیا میں ملنا ٹھیک نہ تھا۔ وہ یہاں اک مٹی ہوئی محبت کی یادگار تھی۔ اس سے پریم نگر میں ہی ملنا تمہارے حق میں زیادہ اچھا ہے۔ میں اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں کہو تو ہمیشہ کے لئے تم کو تمہاری پریم سے ملا دوں۔ لیکن تمہارے گھر والوں اور تمہارے لئے بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ تم ہر مہینے ایک ہفتے کے لئے اس سے ملا کر وائندہ سے ایسا ہی ہو گا پریم نگر اور اس دنیا کا برابر مقابلہ کرتے رہو گے تو اس سے کم از کم یہ فائدہ ہو گا کہ اس دنیا میں اس کی آلائشوں اور برائیوں سے بہت کچھ بچتے رہو گے اب مجھے تم سے زیادہ نہیں کہنا ہے میں جانتا ہوں اب تجھے اپنی ذات سے انتقام لینا ہے۔

سادھو بغیر مجھ سے رخصت ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور چلا گیا میں سکتے کے عالم میں دیر تک اس کو دیکھتا رہا صبح کے وقت اک شور تھا کہ ہر نام سنگھ نامی ایک شخص جو سالوں سے غائب تھا آج اس کی لاش سادھو کی کٹی کے سامنے ندی میں تیرتی ہوئی ملی ہے ان کے ساتھ یہ بھی انواہ تھی کہ سادھو کا کہیں پتا نہیں ہے لوگوں کو سادھو پر طرح طرح کے شبہ تھے میں

بھی ندی کے کنارے پہنچا تو دیکھا وہ سادھو زور سادھو کا جلال ایک نہایت معمولی طرحی مرد شخص زمین پر مردہ پڑا تھا اور لوگوں کا ایک طوفان برپا تھا بعضوں نے مجھ سے سادھو کے متعلق سوالات کرنا شروع کئے۔ میں وہاں سے گھر آکر بھاگ نکلا۔

سادھو مجھے جو برکت دے گیا تھا وہ اب بھی میرے پاس ہے میں ہر مہینے ایک ہفتے کے لئے چلا جاتا ہوں اور وہاں پریم کے ساتھ اسی طرح بلاؤں سے محفوظ زندگی بسر کرتا ہوں اب پریم نگر کا مطلع کبھی خراب آلود نہیں ہوتا اب وہاں آنندیاں نہیں آتیں میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے پریم نگر کا ہواؤں مگر شاید میرے حق میں بقول اسی سادھو کے وہاں مہینے میں ایک ہی ہفتے رہنا بہتر ہے لوگ کہتے ہیں کہ ہر مہینے مجھ پر ایک ہفتے کے لئے خواب کا دورہ پڑا کرتا ہے اور میں چوبیس گھنٹے بے حس و حرکت پڑا سو یا کرتا ہوں ڈاکٹر نے اس کو ایک قسم کی بیماری بتایا ہے پہلے تو انہوں نے اس بیماری کا نام بہت بڑا اور بھیانک بتایا تھا شاید TRY PANOSOMIASIS ہے نرسومائیس یا اسی طرح کا کوئی نام تھا وہ کہتے تھے کہ یہ مرض ایک قسم کے جراثیم سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ میں گھس جاتے ہیں اب جب کہ دو سال سے یہ مرض بدستور قائم ہے اور میں مرانہیں تو انہوں نے انہیں رائے بدل دی اور اب انہیں SOMN ULEUCE یعنی معمولی خواب کی بیماری تشخص کی ہیں خود اس کو ایک مقدس راز سمجھتا ہوں اور اس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتا۔

زہرے رات خواب کے بہرہ بیدار لیست